اپریل ۱۹۵۸ء

شبیر احمد خاں غوری

علمِ کلام کا آغاز و ارتقاء

(۲)

علمِ کلام کا عہدِ آخر

محقق دوانی کے بعد ابتکارِ فکر کا سلسلہ ختم ہو گیا۔ پھر بھی تین سو سال تک مختلف ممالک میں علوم اسلامیہ کے فضلاء پیدا ہوتے رہے جنھوں نے قدیم روایات کو زندہ رکھا۔ اسلامی ثقافت اور قدیم علوم اب بھی باقی ہیں لیکن مغرب کے ثقافتی تفوق نے قدیم اور جدید کے درمیان ایسی خلیج حائل کر دی ہے جس کا پٹنا مشکل ہو رہا ہے۔ اس پر مزید روشنی آگے ڈالی جائے گی۔ بہرحال اس تین سو سال کے زمانہ میں تین ملک خاص طور سے اسلامی ثقافت کا گہوارہ تھے۔

(ا) ایران؛ جو شروع سے "عجم کے حسنِ طبیعت" کا مرکز رہا ہے۔

(ب) روم (سلطنتِ عثمانیہ) جو چھ صدیوں تک دنیا کی عظیم ترین مملکتوں میں محسوب ہوتا رہا اور خلافت کے منتقل ہو جانے کے بعد تو اُسے دنیائے اسلام کی دینی سیادت بھی حاصل ہو گئی۔

(ج) ہندوستان؛ جہاں عربی مدارس تا ایندم کسی نہ کسی صورت سے علومِ قدیمہ کی حفاظت کر رہے ہیں۔

۱۔ ایران

سیاسی حالات

محقق دوانی نے ۹۰۸ھ میں وفات پائی۔ اس سے ایک سال پہلے ایران میں صفوی حکومت کی بنیاد پڑ چکی تھی۔ نئے حکمرانوں نے بنوک شمشیر ملک کی سُنّی آبادی کو اپنے عقائد اختیار کرنے پر مجبور کیا۔ صفوی حکومت کا ۱۷۲۲ء میں خاتمہ ہو گیا۔ تقریباً آٹھ سال تک ایران افغانوں کی تاخت و تاراج کی آماجگاہ بنا رہا۔ اسکے بعد نادر کی نادر شاہی شروع ہوئی تا آنکہ ۱۱۴۸ھ/۱۷۳۶ء میں اُس نے باضابطہ تاج شاہی سر پر رکھا مگر ۱۱۶۰ھ/۱۷۴۷ء میں اُمرائے دربار کے ہاتھوں قتل ہوا اور اس طرح

نہ نادر بجا ماند و نے نادری
بیک گردشِ چرخِ نیلوفری

کی ضرب المثل کی ابتدا ہوئی۔ تین سال اُس کی اولاد ایران کے تاج و تخت کے لئے ہاتھ پاؤں مارتی رہی۔ یہاں تک کہ ۱۱۶۳ھ/۱۷۵۰ء میں کریم خاں زند نے صفوی خاندان کے ایک برائے نام شہزادے کے وکیل کی حیثیت سے حکومت شروع کی۔

زند خاندان کی حکومت ۱۷۹۶ء (سنہ ۱۲۰۳ھ) میں اختتام کو پہنچی اور قاچاری خاندان سریر آرائے سلطنت ہوا۔ قاچاریوں کی حکومت ۱۹۲۵ء (سنہ ۱۳۴۴ھ) تک باقی رہی مگر اس سال یہ خاندان بھی ختم ہوا اور رضا شاہ پہلوی نے پہلوی خاندان کی بنیاد ڈالی۔

ایران میں صفوی حکومت کا آغاز ایک غیر معمولی معاشرتی انقلاب تھا۔ نئے حکمرانوں نے شیعیت کو مملکت کا مذہب قرار دیا۔ باشندگانِ ملک کو اپنا آبائی مذہب چھوڑ کر حکمرانوں کے عقائد اختیار کرنے پر مجبور کیا گیا۔ شاہ اسماعیل بہت تشدد پسند تھا اور اس نے لوگوں کو عقائد کی تبدیلی پر مجبور کرنے کے لئے بڑے بڑے مظالم کئے۔ علماء کو چن چن کر قتل کیا۔ جن میں شیخ الاسلام فرید الدین احمد (جو علامہ تفتازانی کے پوتے تھے) اور میر حسین میبندی جیسے مشہور علماء و فضلاء بھی شامل تھے۔

اسمٰعیل کے مظالم نے ہمسایہ ممالک میں ہیجان پیدا کر دیا۔ سلطان سلیم نے شاہ اسمٰعیل کو بہت کچھ سمجھایا مگر وہ اپنے طرزِ عمل سے باز نہ آیا بلکہ اس کے بجائے اُس نے ترکی سلطنت کے بعض عناصر کو ورغلا کر زبردست بغاوت کرا دی جس میں بے شمار لوگ مارے گئے۔ یہ بغاوت تو فرو کر دی گئی لیکن سلطان سلیم نے صورتِ حال کی اصلاح کا مصمم ارادہ کر لیا اور ۱۵۱۴ء (مطابق سنہ ۹۲۰ھ) میں ایران پر چڑھائی کی۔ تبریز کے قریب خالدران کے مقام پر گھمسان کی لڑائی ہوئی۔ شاہ اسمٰعیل کو شکست فاش ہوئی اور وہ گرفتار ہونے سے بال بال بچ گیا۔ اس سے اُس کے جارحانہ طرزِ عمل پر کاری ضرب لگی اور اس کی کوششوں میں پہلی سی شدت نہیں رہی۔

شاہ اسمٰعیل نے ۱۵۲۴ء (سنہ ۹۳۰ھ) میں وفات پائی اور اُس کا بیٹا شاہ طہماسپ تخت نشین ہوا۔ وہ بھی شدت پسند حکمران تھا۔ ۱۵۸۸ء (سنہ ۹۹۶ھ) میں شاہ عباس اعظم سریر آرائے سلطنت ہوا۔ مذہبی نقطۂ نظر سے شاہ عباس کا عہدِ حکومت نقطویوں یا بہائیوں کے الحاد و زندقہ اور ان لوگوں کی تخریبی سرگرمیوں کے استیصال میں گزرا۔ بعد کے حکمرانوں میں نادر شاہ اپنی جباریت کے باوجود تنگ نظر نہیں تھا۔ وہ شیعہ سنی اتحاد کا بڑا زبردست حامی تھا بلکہ بعض لوگوں کے خیال میں وہ ایران کے اندر شیعیت کے مقابلے میں مذہب اہلسنت والجماعت کی ترویج و اشاعت کرنا چاہتا تھا۔ نادر شاہ ۱۷۴۷ء (سنہ ۱۱۶۰ھ) میں اُمرائے دربار کے ہاتھوں قتل ہوا۔

قاچاریوں کا عہدِ حکومت بابی اور بہائی مذہب کے عروج و زوال کی بنا پر اہم ہے۔ بابی مذہب کا بانی سید محمد علی باب تھا جس نے شیخی فرقے میں تعلیم پائی تھی۔ شیخی فرقہ شطحیات و عرفانیات میں یدِ طولیٰ رکھتا تھا اور امامِ غائب اور عامۂ شیعہ کے درمیان ایک "واسطہ" کا قائل تھا۔ باب نے پہلے "باب" ہونے کا اور پھر نقطۂ اعلیٰ ہونے کا اور آخر میں قائم ہونے کا دعوٰے کیا۔ جاہل عوام نے اُس کے دعوے کو قبول کیا یہاں تک کہ وہ نعوذ باللہ اُسے خدا ماننے لگے۔ ان معتقدین میں سب سے زیادہ پُرجوش ایک عورت تھی جس کا اصل نام تو اُمِ کلثوم تھا لیکن جسے باب نے

قرۃ العین اور طاہرہ کا خطاب دیا تھا اُس کی شادی اپنے چچا کے لڑکے سے ہوئی تھی مگر وہ اس شادی سے مطمئن نہیں تھی عام رواج کے مطابق زوجین میں تفریق ناممکن تھی لہٰذا اس حوصلہ مند عورت نے اُس مذہب اور نظامِ حکومت ہی کو متاصل کرنے کی ٹھان لی جو اُس کی دلی خواہش کے برآنے میں سدِّ راہ تھا۔ اُس نے باب سے ہر طرح کے دعوے کرائے شیعوں کے بارھویں امام کی "غیبوبت" کے ٹھیک ایک ہزار سال بعد باب نے ۱۲۶۰ھ (۱۸۴۴) میں "ظہور" کا دعوے کیا۔ چاروں طرف اُس کے معتقدین کی تعداد بڑھنے لگی۔ اُس کی مدح سرائی میں نظمیں منظوم ہونے لگیں۔ قرۃ العین نے اپنی مشہور غزل میں (نعوذ باللہ منہا) اُسے خدا بنا دیا ہے

لمعات وجہک اشرقت وشعاع طلعتک اعتلا ۔۔۔ زچہ "الست بربکم" نزنی بزن کہ بلا بلا

اور بعض نے اُسے خدا سے بھی بڑھ کر بنا دیا ہے

خلق گویند خدائی و من اندر غضب آیم ۔۔۔ پردہ برداشتہ میشد بوجود ننگ خدائی

(تعالی اللہ عما یقولون الظالمون علواً کبیرا) ادھر ایک جانب راسخ العقیدہ شیعہ اس الحاد و بے دینی کے استیصال پر مصر تھے اور دوسری جانب حکومت کو ان کی تخریبی کارروائیوں کی اطلاعیں موصول ہو رہی تھیں ۱۸۴۸ء میں محمد شاہ قاچار کی وفات پر ناصر الدین شاہ قاچار تخت نشین ہوئے اور اُنہوں نے بڑی سختی سے اس فتنہ کو دبا دیا۔ باب کو پھانسی دی گئی۔ اُس کے معتقدین کی سختی سے دارو گیر کی گئی۔ قرۃ العین بھی قتل ہوئی اور اس طرح ایران میں یہ فتنہ ختم ہوا۔ اگرچہ بابی ایران میں اب بھی ہیں اور بعض دوسرے مسلم ممالک میں بھی ان کے تبلیغی مرکز موجود ہیں۔

پسیخوانیوں نے سترھویں صدی میں اور بابیوں اور بہائیوں نے اُنیسویں صدی میں اپنے مذہب کی تائید میں شطحیات کا انبار لگا دیا مگر اس "عرفانیات" پر سنجیدہ علمِ کلام کا اطلاق مشکل ہی سے ہو سکتا ہے۔ بہائیوں کی مذہبی کتاب "کتاب اقدس" ہے۔

شاہ اسمٰعیل نے جب ایران میں شیعیت کی اشاعت کی تو اُس وقت سب سے زیادہ دقت یہ تھی کہ ایران میں نہ شیعی علماء تھے اور نہ شیعی مذہب کی کتابیں اس لئے دوسرے مقامات سے علماء کو بلا کر عوام کی رہنمائی کے لئے کتابیں لکھوائی گئیں۔ ان شیعی علماء میں محقق ثانی، مقدس اردبیلی، اور محمد تقی مجلسی، ملا محمد باقر مجلسی وغیرہ زیادہ مشہور ہیں۔ امتدادِ زمانہ سے یہ علماء اُمورِ مملکت میں بھی دخیل ہو گئے اور ان کا اقتدار آج بھی باقی ہے۔

شیعی علمِ کلام کے سلسلے میں جن علماء کا نام قابلِ ذکر ہے اُن میں شیخ بہاء الدین عاملی اور میر باقر داماد زیادہ مشہور ہیں۔ میر باقر داماد کی مشہور کتاب "صراطِ مستقیم" ہے۔

اس عہد کا کلامی نصاب۔ ایران میں علمِ کلام کے اندر شرح تجرید اور اُس کے حواشی کا اب بھی رواج تھا چنانچہ

شیخ علی حزین جو ایک شاعر سے زیادہ عالم تحریر تھے اپنے تذکرہ میں لکھتے ہیں کہ انہوں نے شرح تجرید کا حصۂ الہیات اپنے والد سے اور حصۂ امور عامہ مرزا کمال الدین حسین فسوی کے مدرسہ میں پڑھا۔ شرح تجرید کے حواشی قدیمہ و جدیدہ اخوند مسیحائے فسوی سے جو آقا حسین خوانساری کے ارشد تلامذ میں سے تھے پڑھے اس کے ساتھ اُن سے طبعیات شفا اور الہیات شرح اشارات کو بھی پڑھا۔ پڑھنے کے علاوہ امور عامہ شرح تجرید پر شہر بیضا میں حاشیہ بھی لکھا شہر بیضا ہی میں حاجی نظام الدین علی انصاری اصفہانی رہتے تھے جو شیخ علی حزین کے پاس آکر شرح تجرید کے مسائل پر مباحثہ کرتے تھے۔

شیخ علی حزین کے دادا شیخ علی بن عطاء اللہ نے خان احمد خاں کے ایماء سے "رسالہ اثبات واجب" لکھا۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ شاہ اسمٰعیل اور اُس کے جانشینوں کے تشدد و تنگ نظری کے باوجود محقق دوانی نے جو کلامی روایات چھوڑی تھیں اب بھی ایران میں علماء کا معمول بہا تھیں۔ شیخ علی حزین نے شرح ہیاکل النور پر حاشیہ بھی لکھا تھا۔ اسی طرح شرح کلمۃ الاشراق پر بھی حاشیہ لکھا تھا۔ اور بھی رسائل کلام و معقولات پر لکھے تھے۔

محقق دوانی کی کلامی روایات

غرض کلامی روایات کی جو شکل محقق دوانی کے یہاں متعین ہوئی تھی اُسے اُن کے تلامذہ نے جاری رکھا۔ ان میں بعض جیسے میر حسین میبذی قتل ہو گئے اور بعض ترک وطن پر مجبور ہوئے۔ موخر الذکر میں سے کچھ ماوراء النہر کے اُزبک حکمرانوں کے سایہ عاطفت میں چلے گئے۔ جیسے ملا یوسف اور کچھ روم چلے گئے، جیسے ابن المویدا ماسی، حکیم شاہ، اخی زادہ، ابن الکتخدا الکرمیانی وغیرہ اور بعض ہندوستان چلے آئے جیسے میر رفیع شیرازی، وغیرہ

محقق دوانی پر جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے علم کلام کا خاتمہ ہو گیا اسلامی فکر میں جو چار تحریکیں بھی رہی ہیں: کلام، کلمہ مشائیہ، فلسفہ اشراق، اور تصوف، اُن کی ذات میں مجتمع ہو گئی تھیں۔ وہ ایک آزاد خیال محقق تھے اُن کی کلامی تصانیف میں شرح عقائد عضدی کے علاوہ شرح تجرید کے تین حاشیے یادگار ہیں۔ اُن کے معاصرین میں امیر صدر الدین شیرازی المتوفی ۹۰۳ھ اور اُن کے صاحبزادے امیر غیاث الدین منصور المتوفی ۹۴۹ھ جو اپنی جودت طبع اور حدت ذہن کی بنا پر عقل حادی عشر کہلاتے ہیں،) تھے جن سے اُن کی چشمک رہا کرتی تھی محقق دوانی نے جو شرح تجرید کا حاشیہ لکھا تھا امیر صدر الدین شیرازی نے اس پر اعتراضات کئے۔ محقق نے دوسرا حاشیہ لکھا جن میں ان اعتراضات کا جواب دیا تھا۔ پہلا حاشیہ، حاشیۂ قدیمہ اور دوسرا حاشیۂ جدیدہ کہلایا۔ امیر صدر الدین نے جدیدہ پر بھی اعتراضات کئے محقق نے ایک تیسرا حاشیہ بنام حاشیۂ اجد لکھا۔

---

۵۱ تذکرہ شیخ علی حزین صفحہ ۵۲ ایضاً صفحہ ۵۱ ۵۳ ایضاً صفحہ ۶۹

۵۴ ایضاً صفحہ ۸۲ ۵۵ ؍؍ صفحہ ۸۲ ۵۶ ایضاً صفحہ ۶

۵۷ ایضاً صفحہ ۹۶-۹۷ ۵۸ ایضاً صفحہ ۹۷ ۵۹ جہت السیہ جلد سوم صفحہ ۱۱۱

امیر صدر الدین کا انتقال ہو گیا مگر اُن کے صاحبزادے غیاث الدین نے اس پر بھی اعتراضات کئے۔

حواشی قدیمہ و جدیدہ کے علاوہ اثبات واجب کے موضوع پر بھی محقق نے دو رسالے لکھے تھے۔ موجودہ کلامی ادب میں اس موضوع پر سب سے پہلے محقق طوسی کا اور پھر کاتبی قزوینی کا رسالہ ملتا ہے۔ (دیکھئے قدیم فہرست مخطوطات رامپور کلام ۲۵۶) محقق اور ان کے معاصر امیر صدر الدین شیرازی نے بھی اس موضوع پر دو رسالے لکھے ہیں۔ اس کے علاوہ خلق افعال، صفاتِ باری تعالیٰ، ایمان فرعون وغیرہ پر بھی رسائل لکھے محقق کا ایک رسالہ بہت زیادہ مشہور ہے جسے اُنہوں نے امیرالمومنین حضرت علیؓ کے روضۂ مطہرہ میں کھڑے ہو کر پڑھا تھا یہ رسالہ زوراء ہے جو محقق کی تحقیقات انیقہ کا خلاصہ و زبدہ ہے ۵۲

محقق کے شاگرد خواجہ جمال الدین محمود تھے اُنہوں نے محقق کے حواشی بر شرح تجرید پر حاشیہ لکھا۔ نیز محقق کے رسالہ اثبات الواجب پر بھی حاشیہ لکھا۔ یہ دونوں کتابیں رضا لائبریری رامپور میں موجود ہیں۔

جمال الدین محمود کے شاگرد مرزا جان شیرازی تھے۔ "تذکرہ باغستان" میں امام الدین الریاضی نے لکھا ہے:

"مولانا مرزا جان شیرازی در سنہ نہصد و نود و پنج وفات یافت۔ شاگرد خواجہ جمال الدین محمود است و او شاگرد مولانا جلال الدین محمد دوانی است از تصانیف اوست ۔۔۔۔ حاشیہ بر حاشیہ تجرید کہ بحاشیۂ قدیم دوانی مشہور است و نیز حاشیہ بر اثبات واجب دوانی" (صفحہ ۶۸۰ ک)

یہ دونوں کتابیں بھی رضا لائبریری رامپور میں موجود ہیں (کلام ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶)۔ اور حکمت متفرق ۱۵۲) قطب الدین شیرازی نے جو امام رازی اور محقق طوسی کی شروح اشارات پر محاکمہ لکھا تھا مرزا جان نے اُس پر بھی حاشیہ لکھا ہے۔ (رامپور حکمت ۶۶-۶۷-۶۸-۶۹)

مرزا جان شیرازی کے دو شاگرد مشہور ہیں آقا حسین خوانساری اور ملا یوسف رسی۔ اوّل الذکر کے متعلق امام الدین الریاضی نے لکھا ہے:

"مرزا جان شیرازی ۔۔۔۔ از شاگردان اوست آقا حسین کہ بر حاشیہ او کہ بر حاشیہ دوانی است حاشیہ نوشت۔"[۱]

آقا حسین خوانساری (المتوفی ۱۰۹۸ھ) کا یہ حاشیہ بر حاشیہ مرزا جان رامپور میں موجود ہے (کلام ۶۵) شیخ علی حزین کے والد آقا حسین خوانساری کے شاگرد تھے۔ شیخ نے تذکرہ میں لکھا ہے:

"اما والد مرحوم در سن بیست سالگی ۔۔۔ باصفہان آمدہ در مدرس اُستاد العلماء آقا حسین خوانساری علیہ الرحمہ کہ مآثر فضائل و مناقبش از غایت اشتہار بے نیاز از اظہار است باستفادہ مشغول شدند"[۲]

---

[۱] تذکرہ باغستان صفحہ ۶۸۰ ک

[۲] تذکرہ شیخ علی حزین صفحہ ۱۱

شیخ علی حزین نے آقا حسین خوانساری کے شاگردوں میں دو ایرانی علماء کا ذکر کیا ہے: شیخ جعفر قاضی اور آخوند مسیحائے فسوی۔ تیسرے شاگرد ملا مرزا کا ذکر امام الدین ریاضی نے کیا ہے:

"ملا مرزا شاگرد آقا بر حاشیۂ اُستاد خود حاشیہ دارد"

شرح تجرید کے یہ حواشی در حواشی امام الدین الریاضی کے زمانہ میں اُن کے اُستاد شیخ بہلول کے یہاں پڑھائے جاتے تھے۔ مرزا جان کے دوسرے مشہور شاگرد ملا یوسف کوسی ہیں جو ایران سے بلخ چلے گئے تھے اور وہاں سے سمرقند۔ اُن کے متعلق امام الدین الریاضی نے لکھا ہے:

"معشوق معنی یعقوب عاشق سخن زلیخا عصمت کنار و لطافت بوسہ مولانا یوسف کوسہ: در تذکرہ مہندسی مسطور است کہ در نحوستہ یک ہزار و پنجاہ وفات یافت شیخ معمر مولانا یوسف کوسہ ابن محمد خان قراباغی د قراباغ قریۂ ایست از قریہائے شیراز یکے از اعیان مشہورین و فضلائے مذکورین بودہ۔ شاگرد امام علامہ مولانا مرزا جان شیرازی است بعد از کسب کمال بہ بلخ آمد بعدہ بہ سمرقند رفت و در سنیدون کہ قریہ ایست از قریہائے سمرقند اقامت ورزید۔ مدتے درس می گفت و ہمانجا وفات یافت"

ملا یوسف کوسی نے امیر صدر الدین شیرازی کے رسالہ اثبات الواجب پر حاشیہ لکھا تھا (رضا لائبریری رامپور حکمت ۲۹)۔ لیکن اصل کارنامہ محقق دوانی کی شرح عقائد عضدی پر حاشیہ ہے (رامپور کلام ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷) جب یہ حاشیہ مولانا حسین خلخالی کے پاس پہنچا تو اُنہوں نے بھی اس کا حاشیہ لکھا اور اس میں ملا یوسف کوسی کے حاشیہ پر اعتراضات کئے۔ جب خلخالی کا حاشیہ ملا یوسف کے پاس پہنچا تو اُنہوں نے شرح عقائد عضدی کا دوسرا حاشیہ لکھا جس میں ان اعتراضات کا جواب دیا اس کا نام تتمہ الحواشی فی ازالتہ الغواشی رکھا۔ اس کا ایک نسخہ رضا لائبریری رامپور میں موجود ہے (کلام ۲۵) امام الدین ریاضی نے باغستان میں لکھا ہے:

"چوں حاشیۂ عقائد را نوشتہ با یران فرستاد مولانا حسین خلخالی در شیراز حاشیۂ دیگر بر شرح مذکور نوشت و در اثنائے تحشیہ در اکثر مواضع بر مولانا یوسف اعتراض نوشت بعد از انکہ حاشیۂ خلخالی بمولانا یوسف رسید حواشی دیگر در جواب آں اعتراضات نوشت آں را بہ تتمہ الحواشی موسوم ساخت"

ملا یوسف کوسی کے تلامذہ میں امام الدین ریاضی نے میر عوض کاشانی، کمال الدین فرائضی، صالو بدخشی، حاجی عوض زر داندجانی اور مولانا عوض وجیہ بلخی کے نام لئے ہیں۔ مولانا عوض وجیہ بلخی ملا عبدالحکیم سیالکوٹی کے ہمعصر تھے۔ ان تلامذہ کے علاوہ شاہ ولی اللہ نے ملا یوسف کوسی کے ایک اور شاگرد کا ذکر کیا ہے اُن کا نام ملا محمد فاضل تھا جن کے شاگرد میرزا زاہد ہروی تھے۔ میرزا ہد کے شاگرد شاہ عبدالرحیم والد بزرگوار شاہ ولی اللہ تھے۔ اس طرح ملا محمد فاضل اس سلسلۃ الذہب کا واسطۃ العقد ہیں جس کا ایک سرا محقق دوانی ہیں اور دوسرا سرا شاہ ولی اللہ۔ اسی سلسلہ سے محقق دوانی

کی کلامی روایات دہلی تک آئیں اور اُس کے بعد ہندوستان میں اشاعت پذیر ہوئیں۔
محقق دوانیؒ کے متاخر معاصر امیر غیاث الدین منصور تھے۔ اُن کے شاگرد اور مرزا جان شیرازی کے شاگرد میر فتح اللہ شیرازی تھے جو عہدِ اکبری میں ہندوستان میں آئے۔ ہندوستان کے اکثر علمی خاندانوں میں معقولات کا سلسلہ میر فتح اللہ شیرازی تک پہنچتا ہے۔ اس کی تفصیل آگے آئے گی۔
محقق کے ایک اور شاگرد ملا عماد طارمی تھے وہ گجرات میں آئے جہاں وجیہ الدین علوی گجراتی نے اُن سے معقولات کی تعلیم حاصل کی۔ ایک اور شاگرد میر سید رفیع الدین تھے جو سکندر لودی کے زمانہ میں ہندوستان آکر آگرہ میں مقیم ہو گئے تھے۔ شیخ عبدالحقؒ محدث دہلوی نے اخبار الاخیار میں لکھا ہے:

"میر سید رفیع الدین نیز دانشمند بود و محدث ۔ ۔ ۔ ۔ در معقولات شاگرد مولانا جلال الدین دوانی است ۔ ۔ ۔ ۔ و در حدیث شاگرد شیخ شمس الدین محمد ابنِ عبدالرحمان السخاوی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ در زمان سلطان سکندر از گجرات بدیارِ دہلی تشریف آورد۔ و باذن سلطان سکندر رحمہ در آگرہ اقامت فرمود۔"

محقق دوانی کے اکثر شاگرد روم میں جاکر متوطن ہوگئے بالخصوص شاہ اسمٰعیل کی حکومت کے زمانے میں ان میں مولیٰ عبدالرحمٰن ابنِ علی ابن المویدالاماسی، مولیٰ منان الدین یوسف ابن اخی الایدینی (جواخی زادہ کے نام سے مشہور تھے) ابن الکمال الکرمیانی، مولیٰ محی الدین محمد بن عمر بن حمزہ۔ مولیٰ الشیخ مظفر الدین علی الشیرازی۔ حکیم شاہ محمد قزوینی، مولیٰ اسمٰعیل شروانی وغیرہم زیادہ مشہور ہیں۔ ان کے علاوہ اور بھی علمائے عجم اس زمانے میں ترکِ وطن کرنے اور عثمانی سلطان کی پناہ ڈھونے پر مجبور ہوئے۔ جیسے مولیٰ قوام الدین یوسف (جو قاضی بغداد کے نام سے مشہور تھے) مولیٰ ادریس بن حسام الدین البدلیسی، مولیٰ محمود بن الکمال (جواخی چلپی کے نام سے مشہور تھے) مولیٰ حافظ الدین محمد بن احمد پاشا ابنِ عادل پاشا (جو مولیٰ حافظ کے نام سے مشہور تھے) محی الدین محمد قرابانی، ابن الشیخ الشبستری، مولیٰ شریف عجمی وغیرہم۔ جب سلطان سلیم نے تبریز فتح کرکے مراجعت فرمائی تو وہاں سے مولیٰ شاہ قاسم ابنِ شیخ مخدومی اور مولیٰ ظہیر الدین اردبیلی کو بھی اپنے ہمراہ لیتے آئے۔
ماوراء النہر کے علمائے کلام و معقولات میں ملا عصام اسفرائنی کا نام خصوصیت سے قابلِ ذکر ہے۔ عہدِ اکبری کے اکثر مشاہیر علماء اُن کے شاگرد تھے جیسے قاضی نظام بدخشی۔ لیکن ملا عصام کے شاگردوں کے مغالطہ آمیز استدلال سے اہلِ سمرقند کا ناک میں دم آگیا تھا اس لئے محمد خاں اُزبک نے اُنہیں ماوراءالنہر سے نکال دیا۔ ایک اور فاضل علم کلام کے سلسلے میں مشہور ہیں۔ اُن کا نام احمد جند تھا۔ عہدِ اکبری کے بعض مشاہیر جیسے مرزا الس ازبک وغیرہ اُن کے شاگرد تھے۔ احمد جند نے شرح عقائد نسفی پر حاشیہ لکھا تھا جس کا ایک نسخہ انڈیا آفس لائبریری میں موجود ہے۔